اعلیٰحضرت بریلوی
کی
سیاسی بصیرت
سیّد نور محمّد قادری
مکتبہ رضویّہ - گجرات

سلسلہ مطبوعات نمبر (۱)

اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ

کی

سیاسی بصیرت

سیّد نور محمد قادری

مکتبہ رضویہ۔ گجرات

نام کتاب ـــــــــ اعلیٰ حضرت بریلوی کی سیاسی بصیرت
مؤلف ـــــــــ سیّد نور محمد قادری
کتابت ـــــــــ ادارہ پروین کتابت۔ لاہور
تصحیح ـــــــــ ظہور الدین خان
ناشر ـــــــــ مکتبہ رضویہ، گجرات
مطبع ـــــــــ جسارت پرنٹرز۔ لاہور
طباعت بار اوّل ـــــــــ ستمبر ۱۹۷۵ء
تعداد ـــــــــ ایکہزار
قیمت ۱/۵۰ روپیہ

ـــــــ ملنے کا پتہ ـــــــ

۱ ـــ مکتبہ رضویہ ـ کرشنا سٹریٹ ـ ریلوے روڈ ـ گجرات

۲ ـــ مکتبہ نبویہ ـ گنج بخش روڈ ـ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

پیش لفظ

از ابوالطاہر فدا حسین فدا مدیر اعلیٰ "مہر و ماہ" لاہور

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ مفتی احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ اس صدی کے سب بڑے فقیہہ تھے۔ اور متنوع علوم و فنون پر مجتہدانہ کمال رکھتے تھے۔ ایک ہزار کے لگ بھگ چھوٹی بڑی تصانیف اُن کی علمی یادگار ہیں۔ علمائے عرب و عجم نے آپ کو وقت کا مجدد تسلیم کیا۔ غرض کہ ایسے جامع جمیع کمالات تھے کہ گزشتہ تین صدیوں میں اُن کی نظیر نہیں ملتی۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے اور یہی عشق اُن کے فکرِ سلیم کا نگہبان و راہ نما تھا، وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتے تھے اور زندگی بھر دین متین کی اعانت و حفاظت میں مصروف و منہمک رہے۔ بلند مرتبہ شاعر تھے۔ مگر سوائے نعت و منقبت کے کچھ نہ کہا۔ کسی دنیادار کی کبھی قصیدہ خوانی نہیں کی ؎

کروں مدح اہل دول رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

اعلیٰ حضرت قدس سرہ سیاسیات ہند میں اگرچہ عملاً شریک نہیں ہوئے مگر انہوں نے سیاست دانوں کی راہ نمائی کا فریضہ بخوبی سر انجام دیا۔ جس وقت مسلم زعما مدینہ منورہ سے رُخ موڑ کر گنگا کی طرف روانہ ہوئے تو انہوں نے انہیں متنبہ کیا اور جب ان کی پیشانیوں پر اثر سجود کے بجائے "تلک" نمایاں ہوئے تو اعلیٰ حضرت نے کفار کی دوستی اور ان کے شعار اپنانے سے روکا اور قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح فرمایا کہ کفار کبھی بھی مسلمانوں کے بہی خواہ نہیں ہو سکتے۔ غرض کہ جب بھی کوئی فتنہ اٹھا خواہ وہ آزادی کے نام پر ہو، خواہ دین کے نام پر، انہوں نے ابلاغِ حق کا فریضہ بلا خوف لومتہ لائم ادا کیا۔

جس وقت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے سیاست دانوں کو راہِ راست پر چلنے کی ہدایت

کی تو بہت سے اکابر اسلام نے ان کی آواز پر لبیک کہا، مگر جو حضرات آزادی کے جوش میں ہوش کھو بیٹھے تھے یا جو ہنود کے تنخواہ دار بن چکے تھے، وہ اعلیٰ حضرت سے سخت ناراض ہوئے اور انہوں نے بہتان تراشی کا کوئی تیر اپنے ترکش میں باقی نہ رہنے دیا۔

مگر بہت جلد وہ وقت آگیا کہ گاندھی کو جامع مسجد خیر الدین امرتسر اور شاتم رسول شردھانند کو جامع مسجد دہلی کے منبر رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر لاکر بٹھانے والوں پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور دیگر علمائے حق جو کچھ کہتے تھے، وہی حق تھا اور واقعی ہندو ہمارا ایسا ہی دشمن ہے جیسا کہ انگریز۔

میاں عبدالرشید صاحب نے جو غیر جانبدار مورخ ہیں "برطانوی دَور میں برعظیم پاک و بھارت کی مسلم سیاست" کے زیرِ عنوان تبصرہ کرتے ہوئے علمائے اہل سنت کی دُور اندیشی کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے، لکھتے ہیں:-

"انگریز دشمنی کے باوجود ان لوگوں[1] نے انگریزوں کے ذریعہ یہاں پہنچنے والے وطنیت اور جمہوریت کے یورپی تصورات کو جو اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی تھے، اپنانے میں کوئی جھجک محسوس نہ کی، نہ یہ اس بات کو سمجھ سکے کہ مشرک اور بُت پرست ہندو کی بالادستی قبول کرتے ہوئے سیاست میں ان کے ساتھ تعاون کرنا، اسلام کی کوئی خدمت نہیں۔ قرآن پاک مشرکوں کو نجس

---

[1] کانگریسی علماء جن کا تعلق دیوبند سے تھا، نظریہ پاکستان کے مخالف تھے چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب سابق مفتیٔ دیوبند (حال کراچی) اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:-

"۳۵ء کے آخر میں یہ نوبت آگئی کہ سیاست کا عَلَم کانگریس کے ہاتھ میں تھا اور مسلمان اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ اب اس انداز کی سیاست دیوبند میں بھی در آئی تھی ..... ہمارے نقطۂ نظر کے خلاف دیوبند میں کانگریسی مزاج پختہ ہوتا چلا گیا۔" (ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور شمارہ جولائی ۱۹۶۸ء ص ۲۸) "سابق صوبہ سرحد میں صورتِ حال بڑی نازک تھی .... ساتھ ساتھ علماء کا ایک گروہ جو دیوبند سے اُس زمانے میں فارغ التحصیل ہوا تھا جب وہاں (سرحد میں) کانگریسی سیاست غالب آچکی تھی، سُرخ پوشوں کی حمایت میں کام کر رہا تھا۔" (ایضاً ص ۳۰)

کہتا ہے، مگر کچھ علماء نے تحریک خلافت اور ترکِ موالات کے دوران ہندو لیڈروں کو جو مشرک اور بت پرست تھے، مساجد میں بلایا اور کئی جگہ ان کی صدارت میں مسجدوں کے اندر جلسے منعقد کیے۔ مولانا حسین احمد مدنی نے منبر مسجد پر سے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں"، اس کے رد میں علامہ اقبالؒ نے اس دَور کے روزنامہ "احسان" لاہور میں تین قسطوں میں بہت زوردار مضمون لکھا۔ علامہ کے مندرجہ ذیل اشعار کا تعلق بھی اسی واقعہ سے ہے:۔

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ — زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست

سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن ست — چہ بے خبر ز مقامِ محمد عربی ست

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

بریلوی تحریک کے سربراہ ایسے صوفیاء اور علماء تھے جن کا تعلق مسلمانوں کے سوادِ اعظم سے تھا۔ عام طور سے مولانا احمد رضا خان بریلوی کو اس تحریک کا قائد تصور کیا جاتا ہے، ان کی نسبت سے اسے بریلوی تحریک اور اس کے ساتھ منسلک لوگوں کو بریلوی "فرقہ" کہا جاتا ہے، حالانکہ بریلوی کوئی فرقہ نہیں بلکہ سوادِ اعظم ہیں۔ مولانا (احمد رضا خان) نے صرف مسلمانوں کے سوادِ اعظم کے خیالات و اعتقادات کی ترجمانی کی اور اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کے اعتراضات کے جوابات دیئے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بریلوی علماء کی کثیر تعداد نے قید و بند اور دار و رسن کے مصائب برداشت کئے تھے، اس لیے بریلوی تحریک کے راہنما بھی انگریزوں کے سخت دشمن تھے مگر انگریز دشمنی کے تعصب میں انہوں نے ہندو دوستی اختیار نہ کی۔ وہ مشرکوں اور بُت پرستوں کے ساتھ مسلمانوں کے تعاون کو ناجائز سمجھتے رہے۔ قائد اعظم کی طرح انہوں نے بھی ترک موالات اور تحریک ہجرت کی مخالفت کی۔ "یہ ملک ہمارے بزرگوں نے اپنا خون دے کر حاصل کیا تھا۔ ہم کیوں یہاں سے ہجرت کریں"۔ ان میں سے ایک نے کہا اور بعد میں حالات نے ثابت کیا کہ ان کا موقف درست تھا۔ تحریک ترکِ موالات اور ہجرت سے مسلمانوں کو سراسر نقصان پہنچا اور ملکی سیاست پر ہندوؤں کی

گرفت مضبوط ہوئی۔ البتہ جب مسلم لیگ نے حصولِ پاکستان کے لیے تحریک چلائی تو ان حضرات نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا نہ اُن کے علمار پیچھے رہے نہ صوفیار۔ بریلوی حضرات کا اصل سرمایہ عشقِ رسولِ پاک ہے اور یہ عشق ہر موقع پر ان کی صحیح راہنمائی کرتا رہا ہے ؎

بہ مصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باُو نہ رسیدی تمام بولہبی ست (اقبالؒ)

(روز نامہ نوائے وقت لاہور، ص ۵، ۸ مئی ۱۹۷۵ء)

پاکستان کے نامور مؤرخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی نے اپنی انگریزی تالیف "علمار ان پالیٹکس" میں تحریک ترکِ موالات میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی خدمات کا اعتراف کیا ہے[۱]۔

فاضل محترم سیّد نور محمد قادری مدظلہ نے اس مختصر رسالے میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی بصیرت پر بصیرت افروز روشنی ڈالی ہے۔ سیّد صاحب کا یہ مقالہ تاریخِ پاکستان سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بے حد مفید ثابت ہوگا اور اس کے مطالعہ سے تاریخ کے طالب علم یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ مؤرخین نے تاریخ کے اس اہم باب سے کیوں اغماض برتا ہے؟

مکتبہ رضویہ گجرات کی یہ پہلی پیش کش ہے اور دوسری "تحریک پاکستان کے ہیرو"۔۔۔ ان دونوں کے مطالعہ سے یقیناً مفید نتائج برآمد ہوں گے (انشاء اللہ تعالیٰ) ہمیں اُمید ہے کہ عوام الناس کارکنانِ مکتبہ رضویہ کی مساعی کی قدر کرتے ہوئے ان کتابوں کی اشاعت میں زیادہ سے زیادہ حصہ لے کر ان کے لیے مزید کام کرنے کے مواقع فراہم کریں گے۔

لاہور
یکم ستمبر ۱۹۷۵ء

ابوالطاہر فدا حسین فدا

---

[۱] "ULEMA IN POLITICS" (KARACHI 1973, P. 270)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان نابغہ روزگار حضرات میں ہوتا ہے جن کے متعلق علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

اس دانائے راز اور جامع کمالات شخصیت کو خدا تعالےٰ نے مختلف فنون میں اس قدر دسترس اور جامعیت عطا فرمائی تھی کہ اگر پوری تاریخِ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو بہت کم ایسی ہستیاں ملیں گی جو بیک وقت فقہ، ریاضی، ہیئات، فلکیات، تفسیر و حدیث، شاعری اور سیاست پر عبور تامہ رکھتی ہوں۔ جہاں تک فقہ کے فنِ شریعت کا تعلق ہے "فتاویٰ رضویہ" کے بارہ ضخیم مجلدات ان کے کمال تفقہ پر شاہد عادل ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے مشکل اور پیچیدہ مسائل کا قرآن و سنّت کی روشنی میں اس طرح حل فرمایا ہے کہ اغیار بھی آپ کا لوہا مان گئے ہیں۔ علم ریاضی ہندسہ اور ہیئات کے متعلق صرف اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (جو ان علوم کے جامع اور فاضل تھے) آپ کے معترف و معتقد تھے۔ نعتیہ شاعری کا تو یہ عالم ہے کہ بقول پروفیسر یوسف سلیم چشتی

___"برصغیر میں شاید ہی کوئی ایسا عاشقِ رسول ہو جس کو آپ کے بے مثال قصیدہ
ع مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام کے چند شعر حفظ نہ ہوں"[۱]

ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں :-

___"علمائے دین میں نعت نگار کی حیثیت سے سب سے ممتاز نام مولانا احمد رضا خان رضاؔ بریلوی کا ہے..... ان کی شاعری کا محورِ خاص آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی و سیرت تھی۔ مولانا صاحبِ شریعت بھی تھے اور صاحبِ طریقت بھی۔ صرف نعت و سلام اور منقبت کہتے تھے اور بڑی دردمندی و دل سوزی کے ساتھ کہتے تھے۔ سادہ و بے تکلف زبان اور برجستہ و شگفتہ بیان ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں..."[۲]

اب رہی آپ کی سیاسی بصیرت سو وہ اس مختصر مقالہ کا عنوان ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ اعلیٰحضرت کی زندگی کا یہ تابناک پہلو بھی عوام کے سامنے آجائے۔ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک مسلمان رہنماؤں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ ع

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اسلام میں دین اور سیاست کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے اور جب کبھی بھی سیاست دین سے بے نیاز ہو کر بے راہ ہوئی ملّتِ اسلامیہ کو نقصان ہی پہنچا۔ علماء اور نیشنلسٹ مسلمانوں نے جب بھی دین اور سیاست کو الگ الگ خانوں میں رکھنے کی کوشش کی، علماءِ حق اور دردمند مسلمانوں کے قلوب تڑپ اٹھے۔ ۱۹۳۵ء میں جب ایک بہت بڑے نیشنلسٹ عالم نے یہ غیر اسلامی نعرہ لگایا کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں" تو شاعرِ مشرق کا اسلام سے بھر پور دل تڑپ اٹھا اور اس

---

[۱] ندائے حق لاہور جون ۱۹۷۰ء ص ۳۱

[۲] اردو کی نعتیہ شاعری از ڈاکٹر فرمان فتح پوری (کراچی یونی ورسٹی) طبع لاہور، ص ۸۶

نے اپنے درد بھرے جذبات کا یوں اظہار کیا ؎

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی است

آخر میں صراطِ مستقیم سے ہٹے ہوئے اُس عالم کو تنبیہہ کرتے ہیں ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باؤ نرسیدی تمام بولہبی است [۱]

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ جیسے صاحب بصیرت نے دیوبند کے اس شیخ الحدیث کے بارے میں ۱۹۳۵ء میں جو کچھ کہا تھا وہی اعلیٰ حضرت کی مومنانہ بصیرت ابوالکلام آزاد کے متعلق ان سے پندرہ سال پہلے یعنی ۱۹۲۰ء میں کہلوا چکی تھی۔

آزاد مگر نہ تو بے ننگ مشرک
دہ مسلمے دہی پئے یک مشرک
ز اسلامت اگر بہرہ بدے میکردی
بر ناخن مسلمے فدا لک مشرک [۲]

اعلیحضرت کے مبارک زمانہ میں جو تحریک بھی عامۃ المسلمین کے مفاد کے خلاف اٹھی اعلیٰ حضرت اور ان کے رفقار کار نے اس کی بیخ کنی کے لئے سعیٔ بلیغ فرمائی۔ آپ کے زمانہ میں جن تحریکوں نے زیادہ سر اٹھایا اُن میں سے نمایاں تحریک انسدادِ قربانی گاؤ انہدامِ مسجد کانپور اور تحریکِ عدمِ تعاون و خلافت ہیں۔ ان تحریکوں میں مسلمانوں نے اپنی سادگی اور غیروں کی زیرکی کی وجہ سے پایا کم اور کھویا زیادہ۔ اگر ان تمام تحریکات کا

---

[۱] کلیاتِ اقبال، مطبوعہ دہلی ص ۳۵۲ [۲] باقیاتِ رضا (زیرِ طبع)

تفصیلی جائزہ لیا جائے اور ان کے مالہٗ وما علیہ پر پوری بحث کی جائے تو ضخیم دفتر تیار ہو سکتا ہے جس کی اس مختصر مقالہ میں گنجائش نہیں۔ فی الحال مسجد کانپور اور ترکِ قربانی کا مختصراً اور تحریک عدمِ تعاون وخلافت پر تفصیل سے نظر ڈالی جاتی ہے اور اس سلسلہ میں اعلیٰ حضرت نے عامۃ المسلمین کی رہنمائی اور بہتری کے لئے جو کچھ کیا اسے تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے

واقعہ مسجد کانپور

امپرومنٹ ٹرسٹ کمپنی کانپور نے جب فروری ۱۹۱۳ء کو شہر کی سڑک کشادہ کرنے کے لئے مچھلی بازار کی جامع مسجد کے مشرقی حصّہ کو لینے کا فیصلہ کیا تو مسلمانانِ کانپور میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے جامع مسجد میں ایک جلسہ منعقد کیا جس میں پانچ علماء نے جن میں آزاد سبحانی بھی شامل تھے باضابطہ فتویٰ بدیں مضمون دیا ——

—— "کہ حصّۂ زیرِ بحث یعنی شرقی حصہ (جو مسجد کے غسل خانوں پر مشتمل تھا) مذہبًا اور شرعًا جزوِ مسجد اور شاملِ مسجد ہے۔ شرع اسلامی کی رو سے مسجد یا اس کے کسی جزو یا حصہ کی بیع یا مبادلہ مجوزہ خلافِ شریعت ہے" ؎۱ —— اس فتویٰ کی موافقت میں علماء بریلی، بدایوں اور فرنگی محل کی طرف سے بھی فتوے شائع ہوئے "کہ مسجد مالِ وقف ہونے کی وجہ سے بلا معاوضہ یا بالمعاوضہ قابل انتقال نہیں" چنانچہ مسلمانوں نے لفٹیننٹ گورنر صوبہ جات متحدہ اور وائسرائے ہند کو بذریعہ تار اور میموریل اپنے جذبات سے آگاہ کیا لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور ۳ر جولائی ۱۹۱۳ء کو مسجد کے مذکورہ حصہ کو سڑک کھلا کرنے کے لئے گرا دیا گیا۔ اس سے مسلمانانِ ہند کے مذہبی جذبات بھڑک اٹھے۔ چنانچہ "۳ر اگست ۱۹۱۳ء کو مسلمان جوق در جوق مچھلی بازار میں جمع ہوئے اور منہدمہ

؎۱ علی برادران از رئیس احمد جعفری۔ لاہور ص ۳۳۳

غسل خانوں کی جو اینٹیں موقع پر موجود تھیں وہ بغیر گارہ کے ایک کے اوپر ایک رکھنا شروع کر دیں،[1] اس پر مقامی حکام نے مسلح پولیس کو بلا کر ان نہتّے مسلمانوں پر فائر کھلوا دیا جس سے بے شمار مسلمان شہید ہو گئے اور بہت سوں کو گرفتار کر کے جیل میں بھر دیا گیا اور ان پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ اس پر تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ ہر طرف مسجد کی بازیابی کے لئے جلسے جلوس ہونے لگے۔ مذکورہ منہدمہ جگہ کی بازیابی کے لئے لیڈر، علماء کرام اور مشائخ عظام میدان میں آ گئے ۱۶ اگست ۱۹۱۳ء کو مسلمان معززین کا ایک وفد جس میں مولانا عبدالباری فرنگی محل، راجہ صاحب محمود آباد، سر رضا علی وغیرہ شامل تھے۔ لفٹیننٹ گورنر سے ملا اور اس پر واضح کیا کہ تمام مسجد یکساں طور پر متبرک و مقدس سمجھی جاتی ہے خواہ وہ غسل خانہ ہو سیڑھی یا منبر، اس لئے مسجد کے کسی حصّہ پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا۔[2] آخر کار ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو مولانا عبدالباری، راجہ صاحب محمود آباد اور سر علی امام نے مسلمان قوم کی طرف سے وائسرائے ہند سے چند شرائط پر صلح کر لی جن میں سے ایک یہ تھی "کہ چوں کہ مسجد کی سطح زمین سے کئی فٹ بلند ہے اس لئے جس جگہ غسل خانے واقع تھے وہ بدستور تعمیر کر لئے جائیں گے لیکن نیچے کی زمین پر فٹ پاتھ بنا دیا جائے گا تاکہ راہ رو اس پر سے گذر سکیں"[3] چونکہ مولانا عبدالباری صاحب نے اسلامی فقہ کے مسلمہ اصول "وقف بالعوض یا بلا عوض قابل انتقال نہیں" کی صریح خلاف ورزی کی تھی اس پر علماء حق کے درد بھرے قلوب تڑپ اٹھے اور ان کی طرف سے مولانا موصوف کے اس فیصلہ کی تردید میں کافی رسالے اور کتابیں لکھی گئیں۔ اس تردیدی لٹریچر میں اعلیٰ حضرت کی ابانۃ المتواری اور حاجی مقتدی خان شروانی کی ابلیس کا خطبۂ صدارت نمایاں حیثیت رکھتی تھیں۔ فاضل بریلوی نے اپنے موقف کہ "وقف بالعوض یا بلا عوض قابل انتقال نہیں"

---

[1] اعمال نامہ سر رضا علی دہلی ص ۳۰۸ [2] علی برادران لاہور ص ۳۶ [3] اعمال نامہ سر رضا علی دہلی ص ۳۲۵

کے ثبوت میں قرآن، احادیث مبارکہ اور فقہ شریف سے دلائل قاہرہ کے انبار لگا دیئے اور وقف کے ہر پہلو کو فقہ شریف کی روشنی میں اس طرح واضح فرمایا کہ مخالفین (مولانا عبدالباری وغیرہم) کے دلائل کی حیثیت پر کاہ کے برابر بھی نہ رہی۔ مذکورہ رسالہ کے جواب میں مولانا عبدالباری صاحب نے (خدا جانے کس مصلحت کی بنا پر) دفاع کرنے کی ناکام کوشش کی تو اعلیٰحضرت نے قامع الواہیات شائع کر کے مولانا فرنگی محلی کے غلط مفروضہ کے تار و پود کو اس طرح بکھیر دیا کہ اس کے بعد مولانا عبدالباری اور ان کے ہم مسلک کسی عالم یا لیڈر کو اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ کے صحیح موقف سے اختلاف کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور نہ ہی حکومت برطانیہ کو اس کے بعد مسلمانوں کے متبرک مقامات کی ہتک کرنے کی ہمت ہوئی اور اس طرح اسلامی فقہ کا مذکورہ رکن ہمیشہ کے لئے مصلحت پرستوں کی دستبرد سے محفوظ ہو گیا۔

انسدادِ گاؤکشی

مولانا سید سلیمان اشرف (سابق صدر شعبہ اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ متوفی ۱۹۳۹ء) فرماتے ہیں۔ "سن ستاون کا ہنگامہ اور ستارۂ صلاح و فلاح مسلمانانِ ہند کا غروب مفہوم مرادف ہے۔ مسلمانوں کے اس تنزل سے ان کی ہمسایہ قوم نے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور بہت جلد مسلمانوں کے املاک اور دیگر جاہ و عزت کے سامان اہل ہنود کے دستِ تصرف میں آگئے۔

ہندوؤں کو جب اس طرف سے ایک گونہ اطمینان پیدا ہو گیا تب انہوں نے مسلمانوں کے مذہب پر حملہ آوری شروع کی۔ مظالم و جفاکاری کا ایک کوہِ آتش فشاں تھا

جس سے انواع واقسام کے شعلے پھوٹ کر نکلتے اور جا بجا مسلمانوں کی عزّت و حمیّت
ان کے حقوق کے ساتھ خاک سیاہ کرنا چاہتے تھے۔ یوں تو مسلمانوں کا ہر رکنِ مذہبی
اہل ہنود کو چراغ پا کر دینے کا کافی بہانہ تھا لیکن بقرعید کے موقع پر گائے کی قربانی
سے جو تلاطم اور ہیجان ان میں پیدا ہوتا اس کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہے۔ لیکن
غیرت مند مسلمان اپنے اس دینی وقار اور مذہبی استحقاق کے قائم رکھنے میں ہمیشہ
استقلال و ہمت سے ان کی ستمگاریوں کی مدافعت کرتے رہے"۔ [۱] اہل ہنود
نے اس پر بس نہ کی بلکہ ۱۲۹۸ھ میں ایک فتویٰ جس میں اس بات پر زور دیا گیا تھا
"کہ موقع بقرعید گائے کی قربانی جب کہ موجب فتنہ و فساد ہے اور امن عامہ کی وجہ
سے اس میں خلل آتا ہے، اگر گائے کی قربانی مسلمان موقوف کر دیں تو کیا مضائقہ
ہے"۔ مرتب کر کے بنام زید و عمر مختلف شہروں سے مختلف علماء کرام کے نام روانہ کیا
حضرات علماء کرام نے ہر جگہ اور ہر شہر سے ایک ہی جواب دیا کہ شریعت نے
جو اختیار عطا فرمایا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کا ہمیں حق حاصل ہے۔ خوفِ
فتنہ ہو تو حکومت کو متوجہ کرنا چاہیئے۔

۱۳۰۰ھ کے لگ بھگ اس فتنہ کو پھر اٹھایا گیا تو مولانا المفتی احمد رضا خان
فاضل بریلوی قدس سرّہٗ نے اس استفتا کے جواب میں ایک رسالہ بنام انفس الفکر
فی قربان البقر تیار کر کے شائع فرمایا جس سے باطل کی روشن کی ہوئی شمعیں
فوراً بجھ گئیں۔ اس کے بعد بھی ہندوؤں نے کئی دفعہ اس فتنہ کو اٹھانے کی کوشش
کی لیکن ہر بار اعلیٰحضرت کے فتاویٰ نے ان کی مذموم کوششوں کو بارآور نہ ہونے دیا۔
جب خلافت کے زمانہ میں انسداد قربانی گاؤ نے شدت سے سر اٹھایا اور
اس دفعہ اہل ہنود کے ساتھ مسلمان جو فروش لیڈر بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے

[۱] النور از سید سلیمان اشرف علی گڑھ ص ۲

اونٹوں پر بیٹھ کر ایسے اشتہاروں کی اشاعت فرمائی جو گائے کی قربانی کی مخالفت میں تھے بلکہ حکیم اجمل خان جیسے لیڈر نے محض شہرت عام اور اہلِ ہنود کو خوش کرنے کے لئے حدیث شریف میں تحریف کر ڈالی تو اعلیٰ حضرت کے معتقدین میں جوش ابھر آیا مولانا سید سلیمان اشرف نے "الارشاد" اور مولانا عبد القدیر نے گاندھی کے نام کھلی چٹھی میں حکیم صاحب کا تعاقب کیا اور ان کی علم حدیث سے واقفیت کی خوب خوب داد دی۔ غرضیکہ یہ فتنہ بھی اعلیٰ حضرت اور ان کے معتقدین کی کوششوں سے رفع دفع ہو گیا اور پھر تقسیم برصغیر کے زمانہ تک یہ فتنہ نہ ابھرا۔

تحریک عدمِ تعاون و خلافت

خلافت کمیٹی کی بنیاد آل انڈیا مسلم کانفرنس میں ۲۲ ستمبر ۱۹۱۹ء میں رکھی گئی۔ تحریک خلافت کا مقصد سلطنت ترکیہ کی سلامتی اور خلیفہ کی حیثیت سے سلطانِ ٹرکی کی حاکمیت تسلیم کیا جانا قرار پایا لیکن حکومت ترکی کو شکست ہوئی اور اسے معاہدہ سیورے (TREATY OF SEVREY) ماننے پر مجبور کیا گیا اس معاہدہ کی شرائط اس قدر بری اور ذلیل تھیں کہ اس سے مسلمانانِ ہند کے قلوب کو سخت دھچکا لگا۔ ۲۸ مئی ۱۹۲۰ء کو بمبئی میں خلافت کانفرنس کا جلسہ ہوا ——

---

[1] جنگ عظیم دوم میں جب جرمنی اور اس کے اتحادی ٹرکی کو شکست ہوئی تو ۱۴ مئی ۱۹۲۰ء کو ٹرکی سے برطانیہ اور اس کے حلیفوں نے بمقام "سان رومیو" (فرانس) ایک معاہدہ کیا جسے معاہدہ سیورے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور ٹرکی کو نامناسب شرائط پر صلح کے لئے مجبور کیا گیا۔ جن شرائط پر صلح ہوئی وہ یہ ہیں:۔

۱۔ سلطان اتحادیوں کی حمایت کے ساتھ قسطنطنیہ میں حکومت کرے گا۔

۲۔ اتحادیوں کو یہ حق ہے کہ آبناؤں پر قبضہ کر لیں اور یہ بھی کہ ایشیائی ٹرکی کے کسی حصہ پر قابض ہو جائیں۔

(باقی حاشیہ ص۱۷ پر)

جس میں عدمِ تعاون کے اصول کو تسلیم کیا گیا اور مسٹر گاندھی کو تحریک عدمِ تعاون کا رہنما قرار دیا گیا۔ یہ تحریک بڑے نیک اور پاکیزہ مقاصد لے کر اٹھی تھی۔ لیکن اس کے مسلمان رہنما سحرِ گاندھی سے اس قدر مسحور ہو گئے کہ "الکفر ملۃ واحدۃ" کا سبق بھول گئے اور تحریک کے ذمہ دار افراد سے ایسے ایمان سوز افعال و اقوال سرزد ہوئے کہ ان کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان حضرات کے غیر اسلامی افعال و اقوال کی تفصیل المحجۃ المؤتمنہ از اعلیٰ حضرت، گاندھی کے نام کھلا خط از عبد القدیر بلگرامی تحقیقاتِ قادریہ از مولانا جمیل الرحمٰن بریلوی، النور از سید سلیمان اشرف، دوامغ الحمیر از مجلس رضا بریلی، مسلمانوں کا ایثار اور جنگ آزادی از خان عبد الوحید خان اور فاضل بریلوی اور ترک موالات از پروفیسر محمد مسعود احمد میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اگرچہ تحریکِ عدم تعاون کے زمانہ کو پچاس برس کے قریب گذر چکے ہیں لیکن اب بھی جب ان رہبرانِ خود گم کردہ کے افعال و اقوال پر نظر پڑتی ہے تو سر حیا سے نیچے جھک جاتا ہے ان بزرگوں نے صرف اس پر بس نہ کی بلکہ مشرکوں (ہندو) کے بھرے میں آ کر مسلمانوں کی دو عظیم درسگاہوں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور اسلامیہ کالج لاہور کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

پہلے ان کے مشرکانہ اقوال و افعال ملاحظہ فرمائیے پھر علی گڑھ اور لاہور کے کالج کی

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶) ۳۔ آرمینیہ کی ایک نئی دولت قائم کی جائے گی جس میں مندرجہ ذیل صوبے داخل ہوں گے۔ مشرقی اناطولیہ۔ ارض روم۔ وان۔ تبلس۔ ترابزون اور اذربجان، اس دولت کی حدود ریاستہائے متحدہ امریکہ کی مدد سے قائم کی جائیں گی۔

۴۔ ترکی عرب کے متعلق اپنے تمام دعووں سے دستبردار ہوگا۔

۵۔ شام کی حکم برداری فرانس کو۔ عراق اور اردن کی برطانیہ کو دی جائے گی، عدیبیہ اٹلی کو۔ سمرنا اور غربی اناطولیہ یونان کو عنایت کیا گیا۔ (علی برادران از رئیس احمد جعفری لاہور ص ۲۳۶)

طرف آتے ہیں۔ رسالہ النّاظر کے ایڈیٹر مولانا ظفر الملک نے کہا "اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے"[1]۔ مولانا شوکت علی نے فرمایا۔ "زبانی جے پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کرو گے تو خدا راضی ہو گا"[2]۔ پیرِ طریقت حضرت مولانا عبد الباری یوں گوہر افشاں ہوئے۔" ان (گاندھی)، کو اپنا راہ نما بنا لیا ہے جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں اور میرا حال تو سرِ دست اس شعر کے موافق ہے ؎

عمرے کہ بآیات و احادیث گذشت

رفتی و نثارِ بت پرستی کردی[3]

اب رہے چھوٹے بھائی مولانا محمد علی جوہر تو وہ تمام حدود کو پھلانگ گئے اور ایک انگریزی اخبار کے وقائع نگار کو بعد از نبی بزرگ توئی قصہ مختصر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ "میں اپنے لئے بعدِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم گاندھی جی ہی کے احکام کی متابعت ضروری سمجھتا ہوں"[4] ان لیڈروں نے اس پر بس نہ کی بلکہ بقول سابق مرکزی وزیر خان عبد الوحید خان "جامع مسجد دہلی کے منبر پر شردھانند سے تقریریں کرائی گئیں، ایک ڈولی میں قرآن کریم اور گیتا کو رکھ کر جلوس نکالے گئے، مسلمانوں نے قشقے لگائے، گاندھی جی کی تصویروں اور بتوں کو گھر میں آویزاں کیا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کرشن کا خطاب دیا گیا، وید کو الہامی کتاب تسلیم کیا گیا، گائے کی قربانی کی ممانعت کے فتاوے اونٹوں کی پشت پر سے تقسیم کئے گئے"[5]۔

علماء حق نے ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو اس طرح بازیچۂ اطفال بنتے دیکھا تو ان کی ایمانی غیرت بھڑک اٹھی اور اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد عربی

---

[1] پیسہ اخبار لاہور ۸ نومبر ۱۹۲۱ء بحوالہ تحقیقاتِ قادریہ ص۲۹ [2] مدینہ اخبار بجنور ۲۱ جنوری ۱۹۲۱ء بحوالہ تحقیقاتِ قادریہ ص۱۷ [3] مہاتما گاندھی کا فیصلہ مصنفہ خواجہ حسن نظامی ص۱۶ بحوالہ تحقیقاتِ قادریہ ص۱۹-۱۸

[4] محمد علی ذاتی ڈائری حصہ اول ص۱۰۷ [5] مسلمانوں کا ایثار اور جنگِ آزادی ص۱۴۳-۱۴۲

صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے مذہب کو بچانے اور باطل کو سرنگوں کرنے کے لئے میدان میں کود پڑے ۔ چنانچہ مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے جہاں ذاتی طور پر اپنے قلم سے ان ناعاقبت اندیشوں کے کفریہ کلمات و افعال کی تردید کی وہاں بریلی میں کل ہند مرکزی جماعت رضائے مصطفےٰ قائم کی جس نے اس سلسلہ میں قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں جن کا مختصر ذکر درج ذیل ہے ۔

الطاری الداری لھفوات عبد الباری

تحریک عدم تعاون و خلافت کے لیڈروں میں صرف حضرت مولانا عبد الباری صاحب کی ذات گرامی ہی ایسی تھی جو اسلامی دنیا میں مسلّمہ حیثیت (بطور ایک ماہر اسلامیات اور مذہبی رہنما) رکھتی تھی ۔ دوسرے رہنماؤں مثلاً مولانا شوکت علی ، مولانا محمد علی اور ظفر الملک وغیرہ کا شمار نہ تو عالموں میں تھا اور نہ ہی وہ اسلامی فقہ پر عبور رکھتے تھے ۔ اس لئے جب مولانا فرنگی محلی کے غیر محتاط خلافِ اسلام کلمات اور گاندھی پرستی نظر سے گذری تو مولانا احمد رضا خاں کا دل خون کے آنسو رونے لگا ، آپ نے بذریعہ خط و کتابت متین اور سنجیدہ لہجہ میں افہام و تفہیم چاہی لیکن مولانا عبد الباری پر گاندھی کی عقیدت کا نشہ اس قدر طاری تھا کہ اعلیٰ حضرت کی یہ مساعی بار آور نہ ہوئیں تو پھر آپ نے مجبور ہو کر الطاری الداری لھفوات عبد الباری تصنیف فرمائی جس میں آپ نے ذرا سخت لہجے میں مولانا فرنگی محلی کو حضور پر نور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا اور بدلائل قاہرہ آپ پر واضح کیا کہ آپ جس راہ پر چل رہے ہیں یہ کوئے یار کی بجائے وادیٔ کفر کی طرف جاتی ہے ۔ آپ نے واضح فرمایا کہ "الکفر ملۃ واحدۃ" ہے اور اس میں ہندو ، سکھ ، عیسائی کی کوئی تمیز نہیں ، سلطنت عثمانیہ ، مقاماتِ مقدسہ اور

خلیفۃ المسلمین کی حاکمیت اعلیٰ تسلیم کئے جانے کے مسائل پر اعلیٰ حضرت دوسرے لیڈروں سے متفق تھے۔ انہیں تو اس طرزِ عمل سے اختلاف تھا[1] جو اس سلسلہ میں اختیار کیا گیا تھا اور مسلمان رہنماؤں نے ایسی مذہبی اور سیاسی غلطیوں کا ارتکاب کیا جس کی تلافی مدتوں تک نہ ہو سکی بلکہ ہم پاکستانی ابھی تک ان غلطیوں کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ الطاری الداری میں اعلیٰ حضرت نے مولانا عبدالباری کو غیرت دلائی اور ثابت کیا کہ آپ اپنے اسلاف کے علی الرغم غلط راہ پر پڑ گئے ہیں اور مسلمان قوم کی تباہی کا بار بحیثیت ایک روحانی پیشوا ہونے کے آپ پر پڑے گا۔ اس تالیف کے مطالعہ سے مولانا عبدالباری موصوف کے سینہ میں دینی حمیت کی جو چنگاری دبی ہوئی تھی وہ بھڑک اٹھی اور آپ پر صراطِ مستقیم واضح ہو گئی۔ آپ (مولانا فرنگی محلی) نے مولانا نعیم الدین مرادآبادی اور مولانا امجد علی (صاحبِ بہارِ شریعت) کے سامنے اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا ——————— اور روزنامہ ہمدم میں اپنا توبہ نامہ بدیں الفاظ شائع فرمایا۔" اے اللہ میں نے بہت سے گناہ دانستہ و نادانستہ کئے ہیں سب کی میں توبہ کرتا ہوں۔ اے اللہ میں نے امور قولاً و فعلاً تحریراً و تقریراً بھی کئے ہیں ان سب اور ان کے مانند امور سے محض مولوی صاحب (مولانا احمد رضا خاں) موصوف پر اعتماد کر کے توبہ کرتا ہوں۔ اے اللہ میری توبہ قبول کر اور مجھے توفیق دے کہ تیری معصیت کا ارتکاب نہ کروں[2]" اس طرح یہ قابل قدر تالیف

---

[1] (نوٹ)، اسی لئے علی برادران جب فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی تحریک (ہندو مسلم اتحاد) میں شمولیت کی دعوت دی تو فاضل بریلوی نے صاف صاف فرما دیا:۔
"مولانا میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں میں مخالف ہوں۔ اس جواب سے علی برادران کچھ ناراض سے ہو گئے تو فاضل بریلوی نے تالیف قلب کیلئے مکرر ارشاد فرمایا: مولانا میں ملکی آزادی کا مخالف نہیں ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں"۔ (بحوالہ "فاضل بریلوی اور ترک موالات" از پروفیسر محمد مسعود احمد مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء، ص ۵۳)

[2] روزنامہ ہمدم" ۲۰ مئی ۱۹۲۱ء بحوالہ حیات صدر الافاضل طبع لاہور ص ۳۳، ۳۴، ۱۶۹، ۱۷۲

ایک بڑے عالمِ دین کو راہِ راست پر لے آئی۔[1] اسی طرح بعد میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی نے اعلیٰ حضرت کے جلیل القدر خلیفہ اور رفیقِ کار مولانا نعیم الدین مرادآبادی کے سامنے گاندھی گردی، سلسلۂ ہندو نوازی اور احکام اسلامی سے انحراف وغیرہ سے توبہ کرلی۔ مولانا محمد علی نے مولانا موصوف سے فرمایا "آپ گواہ رہیں میں آئندہ کبھی ہنود اور غیر مسلموں سے اتحاد و وداد نہ رکھوں گا۔"[۲]

علی گڑھ کالج کا قضیّہ

مسلم کالج (بعد میں یونیورسٹی) شروع ہی سے مولانا محمود حسن اور ان کے ہمنوا، علماء کی نظر میں بری طرح سے کھٹکتا تھا اور ان کی دلی خواہش تھی کہ کسی طرح اس بت کو ڈھا دیا جائے۔ آخر تحریک ترکِ موالات کے سلسلے میں مسٹر گاندھی کے ایما پر مولانا محمود حسن اور ابوالکلام نے پروگرام بنایا تو مولانا محمود حسن نے اسلامیہ کالج علی گڑھ اور اسلامیہ کالج لاہور کو نیست و نابود کرنے کے لئے اپنے دیرینہ بغض کا یوں اظہار فرمایا" علی گڑھ کالج کی ابتدائی حالت میں علما متدینین نے علی العموم اس قسم کی تعلیم کے جوانب سے جو اَز سر تا پا گورنمنٹ کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے روکا، بدقسمتی سے وہ رک نہ سکی، اب جب کہ اس کے ثمرات و نتائج آنکھوں سے دیکھ لئے تو قوم کو اس سے بچانا بالبداہتہ ایک ضروری امر ہے"[۳] (یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ عصرِ حاضر کی سب سے بڑی مسلمانوں کی تحریک کا علی گڑھ کے فاضل حضرات نے کثیر تعداد میں ساتھ دیا اور دیوبند کے فاضلوں نے اس تحریک کی مخالفت کو عین اسلام قرار دیا)

---

[1] حضرت مولانا فرنگی محلی نے توبہ کرلی تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے الطاری الداری کے تمام نسخے جلا دینے کا حکم دے دیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "حیات صدر الافاضل" ص ۳۵

[۲] ترکِ موالات، مدینہ پریس بجنور ص ۱۱-۹ [۳] حیات صدر الافاضل ص ۱۷۳-۱۷۴

مولانا محمود حسن دیوبندی نے مسلم کالج علی گڑھ کے طلبا کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا " میں امید کرتا ہوں کہ میری معروضات سے آپ کو سوالات کا جواب مل جائیگا اور علی گڑھ کی عمارتوں کتب خانوں وغیرہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی آپ کو دستک دے گا کہ قسطنطنیہ، شام، فلسطین اور عراق کی قیمت سے ان چیزوں کو کیا نسبت ہے " مولانا محمود حسن کے فتاوے، ابوالکلام اور مولانا محمد علی کی تقریریں اور خطبات آخر میں رنگ لائے۔ ڈاکٹر انصاری اور مولانا محمد علی جوہر کی زیر سرکردگی " مجاہدین " کی ایک عظیم فوج نے علی گڑھ کالج[1] پر ہلہ بول دیا۔ خدا بھلا کرے مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی، مولانا سید سلیمان اشرف اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم کہ ان کی بلند ہمتی اور مساعی عظیم سے کالج مکمل شکست و ریخت سے بچ گیا اور بعد میں اس کالج نے یونیورسٹی کی شکل اختیار کر لی اور اس کے نونہالوں نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔

اسلامیہ کالج لاہور پر دھاوا

علی گڑھ کالج کے فاتحین نے اب اسلامیہ کالج لاہور کی طرف باگیں موڑیں۔ اس گروہ کا قائد وہ شخص تھا جس کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر سانس مسلمان قوم کو تباہ کرنے کے لئے وقف تھا۔ فاضل بریلوی نے اس کے متعلق کیا خوب کہا ہے ؎

آزاد مگر نہ تو بے شک مشرک
وہ مسلم می دہی پئے یک مشرک
ز اسلامت اگر بہرہ بدے میکردے
بر ناخن مسلمے فدا لک مشرک

---

[1] تحریک کے ابتدائی دنوں میں مسلم یونیورسٹی محض کالج تھی لیکن دسمبر ۱۹۲۰ میں مکمل یونیورسٹی بن گئی۔

اعلیٰ حضرت نے ابوالکلام کی ساری زندگی کو جس خوبی سے دو شعروں میں سمو دیا ہے اس کی داد نہیں دی جا سکتی۔ غرضیکہ ابوالکلام صاحب ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو لاہور پہنچے اور انجمن حمایتِ اسلام کی جنرل کونسل میں ممبران کو اپنا ہمنوا اور ہم خیال بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور اس کے حامیوں نے ابوالکلام زندہ باد کے نعرے لگائے اور قریب تھا کہ انجمن کے ارکان مولانا کے حق میں رائے دیتے کہ شیخ عبدالقادر مرحوم اپنی جگہ سے اٹھے اور مولانا کی جذباتی لیکن ناعاقبت اندیشانہ تقریر کا اپنی متین اور سنجیدہ لیکن دلائل سے بھرپور تقریر سے ردِّ بلیغ فرمایا۔

اس کے بعد انجمن حمایتِ اسلام نے جس کے جنرل سیکرٹری اس وقت علامہ اقبال[1] تھے یہ فیصلہ کیا کہ ایسے علماء سے رجوع کیا جائے جو مسٹر گاندھی کے حلقۂ اثر سے باہر ہوں اور اعلاء کلمۃ الحق جن کی زندگی کا وظیفہ ہو۔ چنانچہ یہ کام مولوی حاکم علی صاحب پروفیسر سائنس اسلامیہ کالج لاہور کے سپرد کیا گیا۔ انہوں نے مندرجہ ذیل فتویٰ ترتیب دیا: ـــــ

---

[1] خلافتی لیڈروں نے تحریکِ ترکِ موالات میں علامہ اقبال کو بھی ملوث کرنے کی کوشش کی اور علی گڑھ میں کہا وہ ہمارے ہم خیال ہیں۔ چنانچہ علامہ اپنے ایک خط بنام خان نیاز الدین خان مرحوم تحریر فرماتے ہیں "باقی رہا ان لوگوں (یعنی خلافتیوں) سے میرا ہم خیال ہونا۔ ہم خیالی صرف اس حد تک ہے جس حد تک قرآن حکیم کا حکم ہو اور بس۔ اخباروں میں انہوں نے شائع کرایا ہے کہ اقبال نے آزاد قومی یونیورسٹی سے متعلق مدد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یوں تو مسلمانوں کے معاملات میں اگر مجھ سے مدد طلب کی جائے تو مجھے تعمیلِ حکم میں کیوں کر تامل ہو سکتا ہے۔ تاہم جو کچھ اخباروں میں لکھا گیا ہے بالکل غلط ہے میرے ساتھ ان کی کوئی گفتگو اس بارے میں نہیں ہوئی۔ واقعات کی رو سے یہ بات بالکل غلط ہے اس خیال سے کہ علی گڑھ میں اس بیان سے لوگ دھوکا نہ کھائیں، میں نے ایک تار آنریری سیکرٹری کو دے دیا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے جو اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔"

("مکاتیب اقبال" بنام خان نیاز الدین خان بزمِ اقبال لاہور ص ۳۵)

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں کافروں اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ تولّی سے منع فرمایا ہے مگر ابوالکلام تولّی کے معنے معاملت اور ترکِ موالات (نان کوآپریشن) قرار دے رہے ہیں اور یہ صریح زیادتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلامِ پاک کے ساتھ کی جا رہی ہے۔ مذکور نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء کی جنرل کونسل کی کمیٹی میں تشریف لا کر یہ اطلاق کر دیا ہے کہ جب تک اسلامیہ کالج لاہور کی سرکاری امداد بند نہ کی جائے اور یونیورسٹی سے اس کا قطعِ الحاق نہ کیا جائے تب تک انگریزوں سے ترکِ موالات نہیں ہو سکتی اور اسلامیہ کالج لاہور کے لڑکوں کو فتویٰ دے دیا ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو کالج چھوڑ دو لہٰذا اس طرح سے کالج میں بے چینی پھیلا دی۔ علامہ مذکور کا یہ فتویٰ غلط ہے۔ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق قائم رکھنے سے اور امداد لینے سے معاملت قائم رہتی ہے نہ کہ موالات۔ لہٰذا میں فتویٰ دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق اور امداد لینا جائز ہے"[1]

اور اس فتویٰ کو مع ایک خط کے جو درج ذیل ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب کی تصدیق و تصحیح کے لئے روانہ کیا:-

آقائے نامدار مویدِ ملت جناب شاہ احمد رضا خاں صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پشت ہذا پر کا فتویٰ مطالعہ گرامی کے لئے ارسال کر کے التجا کرتا ہوں کہ دوسری نقل کی پشت پر اس کی تصحیح فرما کر احقر نیازمند کے نام بواپسی ڈاک اگر ممکن ہو سکے تو آج ہی یا کم از کم دوسرے روز بھیج دیویں۔ انجمن حمایت اسلام کی کونسل کا اجلاس ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو ہونا قرار پایا ہے اس میں یہ پیش کرنا ہے۔ دیوبندیوں اور نیچریوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا۔ ہندوؤں اور گاندھی

---

[1] المحجۃ المؤتمنہ ص ۲

کے ساتھ موالات قائم کرلی ہے اور مسلمانوں کے کام میں روڑے
اٹکانے کی ٹھان لی ہے، عالمِ حنفیہ کو ان کے ہاتھوں سے بچائیں۔"

نیاز مند دعاگو

حاکم علی موتی بازار لاہور ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۰ء [ل]

اعلیٰحضرت نے اس فتویٰ کی تصدیق فرمائی اور لکھا کہ ایسی امداد جو مشروط نہ ہو جائز ہے۔ چنانچہ اعلیٰحضرت کے اس فتویٰ کو حمایت اسلام کی جنرل کونسل میں پیش کیا گیا اور یہ عظیم درسگاہ اغیار کی دستبرد سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئی۔ بعد میں مولوی حاکم علی صاحب نے اعلیٰحضرت کے فتویٰ کو دوسرے فتاووں کے ساتھ ترتیب دے کر بعنوان اصلی جمعیت العلماء ہند کے فتاوے شائع کیا۔

المحجتہ المؤتمنہ

اس سے پیشتر بھی اعلیٰحضرت اس قسم کے فتاوے دے کر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کچی باغ بنارس اور مدرسہ اسلامیہ سبز باغ کراچی کو خلافتیوں کے مذموم حملوں سے بچا چکے تھے۔ الغرض مذکورہ فتویٰ کے لاہور پہنچنے کے بعد مخالفین کے ارادوں اور منصوبوں پر اوس پڑ گئی اور تحریک عدم تعاون کے حامیوں میں سے ایک صاحب مولوی عزیز الرحمٰن صاحب سابق ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول لائلپور نے ایک طویل استفتاء مرتب کر کے جو خلافتیوں کی ترجمانی کرتا تھا۔ اعلیٰحضرت کی خدمت میں بریلی شریف بھیجا۔ اعلیٰحضرت نے جواباً ایک مفصل فتویٰ ترتیب دیا جو

ل المحجتہ المؤتمنہ ص ۲

بعد ہیں المحجتہ الموتمنہ کے نام سے شائع ہوا[1] اس طرح الحجتہ المؤتمنہ کے نام سے ایک ایسی دستاویز وجود میں آئی جس نے ہر موقعہ پر اور ہر مشکل میں مسلمانانِ ہند کے لئے دلیلِ راہ کا کام دیا۔

اس فتاویٰ میں اعلیٰ حضرت نے قرآنِ حمید کی اس آیت " لَا یَنۡھٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡكُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَ لَمۡ یُخۡرِجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِیَارِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ وَ تُقۡسِطُوۡۤا اِلَیۡهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ " (اللہ تمہیں ان (کافروں) سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ برتو بیشک انصاف والے اللہ کو محبوب ہیں) (پ ۲۸ سورہ الممتحنۃ ع ۷) پر مفصل بحث کی اور تمام مستند تفاسیر و کتبِ فقہ مثلاً تفسیر رازی، روح البیان، تفسیر ابوالمسعود اور ہدایہ وغیرہ اور اقوالِ علماء و فقہا کی روشنی میں مخالفین کے اس استدلال کہ اس آیہ ممتحنہ سے غیر محارب ہنود کے ساتھ وداد و محبت جائز بلکہ فرض ہے کے تار و پود بکھیر دیئے اور ثابت کر دیا کہ کافر مسلمانوں کا ولی نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " کہ ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے مسلمانوں پر راہ نہ کرے گا۔"

عدم تعاون کے حامی لیڈروں کو مذکورہ آیت پاک کے سمجھنے میں جو ٹھوکر لگی اس کا ابطال کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں :- " ان صاحبوں سے یہ بھی پوچھ دیکھئے کہ سب جانے دو، آیہ کریمہ " لَا یَنۡھٰكُمۡ " ہر مشرک غیر محارب کو عام ہو کر محکم ہی سہی اور مشرکینِ ہند میں کوئی محارب بالفعل نہ سہی۔ آیہ کریمہ نے کچھ نیک برتاؤ مالی مواسات ہی کی رخصت دی، یا یہ فرمایا کہ ان کی جے پکارو، انہیں مساجدِ مسلمین میں باادب و تعظیم پہنچا کر مسند

---

[1] نوٹ: یہ پورا رسالہ رئیس احمد جعفری نے اپنی تالیف " اوراق گم گشتہ " (مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۶۸ء) میں شامل کر دیا ہے۔

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر لے جاکر مسلمانوں سے اونچا بٹھاکر واعظ و ہادئ مسلمین بنا ؤ گائے کا گوشت کھانا گناہ ٹھہراؤ، قرآن مجید کو رامائن کیساتھ ایک ڈولے میں رکھ کر مندر میں لے جاؤ۔ ان کے سرغنہ کو کہو کہ خدا نے ان (گاندھی) کو تمہارے پاس مذکر بناکر بھیجا ہے یعنی معنیٔ نبوت جماؤ۔"[1]

اعلیٰ حضرت مزید فرماتے ہیں "اگر بفرض باطل ان (رہبرانِ گم کردہ راہ) کی یہ تشنگی مان بھی لی جائے تو عام مشرکین ہند کو " لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ " کا مصداق ماننا ایمان کی آنکھ پر ٹھیکری رکھنا ہے۔ کیا وہ ہم سے دین پر نہ لڑے ؟ کیا قربانی گاؤ پر ان کے سخت ظالمانہ فساد پرانے پڑ گئے ؟ کیا کٹار پور، آرہ اور کہاں کہاں کے ناپاک ہولناک مظالم جو ابھی تازے ہیں دلوں سے محو ہو گئے ؟ بے گناہ مسلمان نہایت سختی سے ذبح کئے گئے، مٹی کا تیل ڈال کر جلائے گئے، ناپاکوں نے پاک مسجدیں ڈھائیں، قرآنِ پاک کے پاک اوراق پھاڑے اور جلائے اور ایسی ہی وہ باتیں جن کا نام لئے کلیجہ منہ کو آئے۔"[2]

غرض کہ اعلیٰ حضرت نے عدم تعاون کے حامیوں اور گاندھی کے افعال و اقوال کی ایک ایک کر کے المحجۃ المؤتمنہ میں تردید فرمائی ہے اور آفتاب کی طرح روشن کر دیا ہے کہ کوئی بھی غیر مسلم چاہے وہ ہندو ہو یا عیسائی، مجوسی ہو یا یہودی اسلام اور مسلمین کے مقابلے میں " الکفر ملۃ واحدۃ " کا مصداق ہے۔

---

[1] المحجۃ المؤتمنہ ص ۴۵-۴۴

[2] المحجۃ المؤتمنہ ص ۲۷

نوٹ: ۱۹۱۳ء میں اجودھیا میں قربانی گاؤ پر فساد ہوا ۱۹۱۴ء میں مظفر نگر میں بلوہ ہوا، ۱۹۱۷ء میں اضلاع آرہ۔ شاہ آباد، بلیا، اعظم گڑھ کے چالیس میل کے وسیع رقبے میں بڑے پیمانے پر فسادات ہوئے جنکی نظیر اس دور میں کہیں نہیں ملتی۔ (بحوالہ فاضل بریلوی اور ترک موالات ص ۶۵ از پروفیسر محمد مسعود احمد ایم اے پی ایچ ڈی)

مولانا نعیم الدین کا کارنامہ

اعلیٰ حضرت کے فیضان اور ان کی تعلیم ہی کا اثر تھا کہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی فسادات بمبئی کے موقع پر ماہ شوال سنہ ۱۳۵۰ھ (سنہ ۱۹۳۱ء) میں فرمایا کہ ہندوستان کو ہندو مسلم علاقوں میں تقسیم کر دیا جائے، اور مولانا شاید پہلے عالم دین ہیں جنہوں نے واشگاف الفاظ میں تقسیم ہند کی تجویز پیش کی، چنانچہ فرماتے ہیں — "بمبئی کے ہندو کوشش کر رہے ہیں کہ اپنی دکانیں مسلمان محلوں سے ہٹا کر ہندو محلوں میں لے جائیں۔ ہندوؤں کے یہ افعال یہ تجویزیں یہ طرز عمل اتحاد کے ذرا بھی منافی نہیں۔ لیکن مسلمان ایسا کریں تو اتحاد کے دشمن قرار دیئے جائیں یہ کھلی ناانصافی ہے جب ہندو اپنی حفاظت اسی میں سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے محلوں سے علیحدہ ہو جائیں اور اپنی حدود علیحدہ کر لیں تو مسلمانوں کو یقیناً ان کے محلوں میں جانے اور ان کے ساتھ کاروبار رکھنے سے احتیاط رکھنا چاہیئے۔ دونوں اپنے اپنے حدود جداگانہ قرار دیں اور اسی نکتہ کو ملحوظ رکھ کر سیاسی مباحث کو طے کر لینا یعنی ہندوستان میں ملک کی تقسیم سے ہندو مسلم علاقے جدا جدا بنالیں تاکہ باہمی تصادم کا اندیشہ اور خطرہ باقی نہ رہے۔ ہر علاقہ میں اسی علاقہ والوں کی حکومت ہو، مسلم علاقہ میں مسلمانوں کی اور ہندو علاقہ میں ہندوؤں کی۔ اب نہ مخلوط وجداگانہ انتخاب کی بحثیں درپیش ہوں گی نہ کونسلوں میں نشستوں کی منازعت کا کوئی موقع رہے گا، ہر فریق اپنے حدود میں آرام کی زندگی گزار سکے گا جب ہندو ذہنیت نے بمبئی میں گوارا کر لیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ جدید حکومت کا مسئلہ اس اصول پر نہ طے کیا جائے۔"[1]

---

[1] السواد الاعظم مراد آباد جلد ۸ شمارہ ۶ ماہ شوال سنہ ۱۳۵۰ھ ص ۱۳-۱۴

تحریک پاکستان

حضرت صدر الافاضل کی یہ تحریر بالکل واضح ہے کہ انہوں نے اُس اصول کو بہت پہلے پیش کر دیا تھا جسے بعد میں اپنا کر پاکستان حاصل کیا گیا۔ صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی قومی خدمات بے شمار ہیں مگر سنہ ۱۹۴۰ء میں قرار داد پاکستان کے پاس ہونے پر تو ان کی تمام تر توجہ تحریک پاکستان کی طرف ہو گئی تھی۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کے ذریعے پوری قوم کو نظریہ پاکستان کا حامی بنانے کی کامیاب مساعی کیں۔ اس سلسلے میں آپ کے دل میں جو تڑپ تھی وہ ان خطوط سے عیاں ہے جو انہوں نے مولانا ابو الحسنات علیہ الرحمۃ کو تحریر فرمائے، ان تاریخی خطوط کے بعض اقتباسات ملاحظہ ہوں :۔

(الف) "آل انڈیا سنی کانفرنس کا نام جمہوریت اسلامیہ مرکزیہ ہے۔ یہ دو ایوانوں پر مشتمل ہو گی" ایک ایوان عام، ایک ایوانِ علما ——— ایوان علما، کا نام جمہوریت عالیہ ہو گا" [1]

(ب) "پاکستان کی تجویز سے جمہوریت اسلامیہ کو کسی طرح دست بردار ہونا منظور نہیں، خود (قائدِ اعظم محمد علی) جناح اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔" [2]

(ج) "الیکشن کے موقع پر کانگرس کے حق میں رائے دینے سے مسلمانوں کو روکنا بالکل بجا ہے اور اس میں کچھ بھی تامل نہیں" [3]

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے نامور خلیفہ اور تلمیذ رشید حضرت ابو المحامد سید محمد محدث کچھوچھوی

---

[1] حیات صدر الافاضل از غلام معین الدین نعیمی مطبوعہ لاہور ص ۱۸۵ - ۱۸۶ ۔ مکتوب نمبر ۲
[2] ایضاً ص ۱۸۶ [3] ایضاً ص ۱۸۷، مکتوب نمبر ۳

رحمۃ اللہ علیہ صدر آل انڈیا سُنّی کانفرنس جو جیّد عالم دین روحانی پیشوا اور بے مثال خطیب تھے، نے تحریک پاکستان کے لئے عظیم خدمات سرانجام دیں۔ آپ نے پاک و ہند کے تقریبًا سب ہی چھوٹے بڑے شہروں میں پاکستان کے حق میں مدلل تقاریر فرمائیں اور اپنے لاکھوں مریدین کو تحریک پاکستان میں حصہ لینے کا حکم صادر فرمایا۔ آپ نے ۵-۶ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ کو آل انڈیا سُنّی کانفرنس اجمیر شریف میں خطبہ دیا جو الخطبة الاشرفیه للجمهوریة الاسلامیه کے نام سے دو مرتبہ چھپ چکا ہے، اس مبارک خطبہ کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:۔

"المشائخ کلھم کنفسٍ واحدةٍ" کرکے دکھانا ہے۔ ان پاکوں کا پاک عزم یہ ہے کہ رفتہ رفتہ ہندوستان کو پاکستان بنا کر دکھا دینا ہے"۔

"حضرات! میں نے بار بار پاکستان کا نام لیا ہے اور آخر میں صاف کہہ دیا ہے کہ پاکستان بنانا صرف سُنّیوں کا کام ہے اور پاکستان کی تعمیر آل انڈیا سُنّی کانفرنس ہی کرے گی۔ اس میں سے کوئی بات بھی نہ مبالغہ ہے، نہ شاعری ہے اور نہ سنی کانفرنس سے غلو کی بنا پر ہے"۔

آخر میں اہل سنّت کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں:۔

"اگر ایک دم سارے سنی مسلم لیگ سے نکل جائیں تو کوئی مجھے بتادے کہ مسلم لیگ کس کو کہا جائے گا؟ اس کا دفتر کہاں رہے گا؟ اور اس کا جھنڈا سارے ملک میں کون اٹھائے گا؟"

اس سے پہلے آپ نے آل انڈیا سُنّی کانفرنس منعقدہ بنارس میں نہایت طویل اور مدلّل خطبہ دیا جو خطبۂ صدارت جمہوریت اسلامیہ کے نام سے طبع ہوا جس کے صفحات ۲۸ ہیں۔ اس خطبہ کا ایک ایک حرف حضرت محدّث کچھوچھوی کی بالغ نظری اور مقصد سے عشق کا ترجمان ہے۔ تحریک پاکستان پر کام کرنے والوں کے لئے ان خطبات

کا مطالعہ لازمی ہے۔

غرض کہ امام اہلسنّت اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرّہٗ نے سب سے پہلے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف آواز بلند کی یعنی دو قومی نظریہ قوم کے سامنے پیش کیا۔ پھر اُن کے بعد اُن کے باعزم و باہمت خلفاء و تلامذہ اور اُن کے ہم مسلک علماء کرام و مشائخ عظام نے سر دھڑ کی بازی لگا کر تحریک پاکستان کو کامیابی و کامرانی سے ہم کنار کیا۔ ذیل میں اُن نفوس قدسیہ اور محسنین قوم و ملت جن کی مساعی کی بدولت پاکستان دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا، کے اسماء گرامی درج کر کے اپنے اس مقالے کو ختم کرتا ہوں۔

محسنین قوم

امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری، حضرت پیر صاحب مانکی شریف، صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی، حضرت ابو المحامد سیّد محمد محدث کچھوچھوی، مبلغ اسلام مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی (والد ماجد شاہ احمد نورانی مدظلہ) مولانا عبد الحامد قادری بدایونی، حضرت پیر سیّد فضل شاہ امیر حزب اللہ، حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف۔ حضرت خواجہ سدید الدین تونسوی، حضرت میاں علی محمد خاں سجادہ نشین بسی شریف، حضرت مولانا ابو الحسنات سیّد محمد احمد قادری، حضرت مولانا عبد الغفور ہزاروی، مولوی محمد ابراہیم علی چشتی، مولانا غلام محمد ترنم، حضرت پیر عبد الرحمٰن بھرچونڈی شریف، حضرت سیّد مغفور القادری، حضرت دیوان سید آل رسول علیخان (اجمیر شریف) حضرت مولانا امجد علی مصنف بہار شریعت وغیرہم (رحمہم اللہ تعالیٰ)

شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمر الدین سیال شریف، مجاہد ملت حضرت مولانا

الحاج عبدالستار خان نیازی، مولانا جمال میاں فرنگی محلی، پیر صاحب زکوڑی شریف، غزالی دوراں مولانا سید احمد سعید کاظمی، علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری مفتی اعظم پاکستان، مولانا غلام قادر چشتی اشرفی، مولانا ابوالنور محمد بشیر کوٹلوی، حضرت شاہ محمد عارف اللہ قادری میرٹھی، صاحبزادہ سید محمود شاہ گجراتی وغیرہ وغیرہ

آخر میں یہ گذارش ضروری ہے کہ چونکہ پاکستان سوادِ اعظم اہل سنت نے بنایا تھا، لہذا اسے فتنوں سے بچانا اور اس کی حفاظت کرنا بھی اہل سنت ہی کا کام ہے۔ اہل سنت کو چاہیئے کہ اس کی نظریاتی سرحدوں کی پورے طور پر حفاظت فرمائیں۔ اور خدا و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام پر بنائے ہوئے اس ملک میں اسلامی قوانین کو نافذ کرائیں۔

یکم رجب المرجب ۱۳۹۵ھ

سید نور محمد قادری
چک نمبر ۱۵ شمالی۔ ڈاکخانہ چک نمبر ۵
ضلع گجرات

تحریک پاکستان کے هیرو

تحریک پاکستان میں علماء و مشائخ اہل سنت کی خدمات جلیلہ سے متعارف ہونے کے لئے ”تحریک پا کستان کے ہیرو“ تالیف جناب محمد صادق قصوری کا مطالعہ کیجئے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد آپ دعویٰ سے کہہ سکیں گے کہ پا کستان مشائخ عظام اور علمائے کرام کی مساعی کا ثمرہ ہے - اس بے مثال کتاب کا فاضلانہ مقدمہ مشہور محقق فاضل جناب سید فاروق القادری ایم - اے (عربی) ایم - اے (اسلامیات) نے تحریر فرمایا ہے ، جو خاصے کی چیز ہے -